ایمان اور اخلاقی فضائل

مؤلف: نعمت اللہ بدخشان
مترجم: شبیہ عباس خان

دینی باور اور ایمان کے وجود میں آنے کی کیفیت، اس کی نشو و نما اور تقویت کے اسباب و علل کو جاننا بہت اہم ہے۔اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لینا، ایمان کے صحیح معنی و مفہوم کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا، نیز ایمان کی شناخت انسان کے اندر تحول و انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے اور عملی طور پر معاشرے میں ایمان و معنویت کی ترویج کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔

انسان میں ایمان کی کمی و بیشی انسانی نفس کے تحولات پر منحصر ہے، لہٰذا اس مقالے میں ایمان اور معنویت کی تقویت اور افزائش کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی گی ہے۔سب سے پہلے ایمان کے معنی و مفہوم سے متعلق نظریات کو معرفت عقلی، معرفت قلبی اور تسلیم نفسانی میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کی نقد و بررسی کے بعد آخر میں بارگاہ خداوندی میں روحی اور نفسانی طور پر تسلیم ہو جانے کو ہی دینی باور کا اہم ترین مقوّم بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد اخلاقی فضائل کے حصول کے لئے اعمال صالحہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کو دینی باور کے لئے لازمہ ذاتی بتایا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ فضائل کس طرح سے دینی باور کو باقی رکھنے اور اس کی تقویت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

گوہر ایمان کی حقیقت اور اس کے لوازمات ہمیشہ سے مسلم دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ قرآنی مفاہیم کے درمیان، مفہوم ایمان و کفر کو مرکزی حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے اس مسئلے کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی فرقوں کا اس بحث میں قدم رکھنا کلامی مقصد کے تحت نہیں تھا بلکہ عملی مشکلات کی بنیاد پر تھا[۱]۔ ایمان اور عمل سے متعلق ابتدائی بحثوں کی بنیاد بھی یہی تھی۔ عصر حاضر کے متکلموں

۱۔ ایزو تسو، توشی ہی کو، مفہوم ایمان در کلام اسلامی، ترجمہ زہرا پورسینا، ص ۴۳

کے لئے بھی یہ سوال چیلنج بنا ہوا ہے کہ ایمان کے معنی و مفہوم میں عمل کا دخل ہے یا نہیں۔اس سلسلے میں کلی طور پر انہوں نے دو نظریوں کو پیش کیا ہے:

۱.پہلا نظریہ: عمل، ایمان کے معنی و مفہوم کا جز ہے۔خوارج، معتزلہ اور اہل حدیث کا یہی نظریہ ہے۔

۲.دوسرا نظریہ: عمل ایمان کے معنیٰ و مفہوم سے خارج ہے لیکن عمل ایمان کے ذاتی لوازم میں سے ہے۔

دوسرے نظریہ کے ماننے والے خود دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں:

الف: کچھ لوگ ایمان اور عمل کے حدود کو ایک دوسرے سے پوری طرح الگ مانتے ہیں۔جیسے مرجئہ

ب: کچھ لوگ عمل کو ایمان کے ذاتی لوازمات میں مانتے ہیں اور اکثر شیعہ متکلموں کا یہی نظریہ ہے۔

اس نظریہ کے قائل افراد کی نظر میں ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے اور عمل اس کے لوازمات میں سے ہے اور زبانی اقرار سے اس کا اظہار ہوتا ہے[۱]۔اس نظریہ کے قائل افراد کی دلیل قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن میں قلب کو ایمان کی جگہ بتایا گیا ہے اور اس پر مہر لگانے کو کفر اور بے ایمانی بتایا گیا ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَـٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّـهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّـهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔[۲]: ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنالیا ہے اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کون ہدایت کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ہو۔

❖

أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّـهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور آنکھ کان پر کفر کی چھاپ لگا دی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً حقائق سے غافل ہیں۔[۳]

۱۔بدخشان، نعمت اللہ، حقیقت ایمان و لوازم آن از منظر علم کلام، قرآن و علی، فصلنامہ اندیشہ دینی دانشگاہ شیراز، ص ۵-۳۴

۲۔سورہ جاثیہ، آیت ۲۳

۳۔سورہ نحل، آیت ۱۰۸

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ۔ ترجمہ: اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔[۱]

❖

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ۔ ترجمہ: یہ بدّو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔[۲]

یہ گروہ ان آیات سے بھی تمسک کرتا ہے جن میں عمل کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت پائی جائے۔ مثال کے طور:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے نماز قائم کی اور زکات ادا کی، ان کے لئے پروردگار کے یہاں اجر ہے اور ان کے لئے کسی طرح کا خوف یا حزن نہیں ہے۔[۳]

❖

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا۔ ترجمہ: اور جو بھی نیک کام کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان بھی ہو۔ ان سب کو جنّت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۴]

❖

۱۔ سورہ مجادلہ، آیت ۲۲
۲۔ سورہ حجرات، آیت ۱۴
۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۷۷
۴۔ سورہ نساء، آیت ۱۲۴

إِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

ترجمہ: علاوہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت و نصیحت کی۔[۱]

البتہ عمل کا ایمان سے خارج ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمل بے اہمیت یا کم اہمیت ہے، بلکہ عمل صالح بھی ایمان کے لازمے کے طور پر دنیا اور آخرت میں انسان کو سعادت مند کرنے میں موثر ہے۔

دوسرا مسئلہ جو مسلم دانشوروں کی توجہ کا مرکز بنا وہ ایمان اور معرفت کے تعلق سے ہے۔ انہوں نے ایمان کے ذاتی عناصر میں معرفت کی شمولیت، نیز اس معرفت کی کیفیت کے حوالے سے مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ ان نظریات کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱. ان لوگوں کا نظریہ جو معرفت کو حقیقت ایمان کا ذاتی عنصر خیال کرتے ہیں۔

۲. ان لوگوں کا نظریہ جو معرفت کو ایمان کی حقیقت اور ذات سے خارج بتاتے ہیں۔ یہ لوگ زبانی اقرار کو ہی ایمان کے تحقق کے لئے کافی جانتے ہیں جیسے کرامیہ[۲]۔

پہلے نظریہ کے قائل افراد خود دو مختلف نظریوں کے حامل ہیں:

الف) وہ لوگ جو حقیقت ایمان کو معرفت عقلی پر منحصر سمجھتے ہیں[۳]۔

ب) وہ لوگ جو معرفت کے ساتھ ساتھ دوسرے مفاہیم جیسے خضوع قلبی و محبّت خدا کو بھی ایمان کا جز سمجھتے ہیں۔

البتہ ان لوگوں میں ان عناصر کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ مذکورہ عناصر کے ساتھ ساتھ اللہ کی کبریائی کے اقرار کو بھی ایمان کے ذاتی عناصر میں شمار کرتے ہیں۔[۴] ان میں

۱۔ سورہ عصر، آیت ۳

۲۔ کرامیہ فرقہ مرجئہ کا ایک گروہ ہے جن کا ماننا ہے کہ زبانی اقرار سے ایمان تحقق پاتا ہے اور ایمان کے لئے معرفت کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ اس طرح کے ایمان کو کامیابی کا باعث نہیں سمجھتے ہیں۔ (ابن حزم، علی بن احمد اندلسی، الفصل فی الملل والاہواء والنحل، ج ۵، ص ۴۷)

۳۔ جہم بن صفوان جس کا تعلق مرجئہ گروہ سے ہے، اس کا ماننا ہے کہ ایمان معرفت نظری اور عقلی کے برابر ہے۔ (اشعری، ابوالحسن علی بن اسماعیل،، مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین، ص ۱۳۲)

۴۔ جعفریان، رسول، مرجئہ، تاریخ واندیشہ، ص ۷۵

سے بیشتر کا ماننا ہے کے ذات ایمان کے لحاظ سے عنصر معرفت ایک قلبی معرفت ہے۔

بلا شبہ صرف ایمان سے نسبت پا لینے اور خود کو مؤمن کہہ لینے سے کوئی شخص حقیقی ایمان کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی لذّت ایمان کی شیرینی سے آشنا ہو سکتا ہے۔ آثار ایمان اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کئے بغیر مدعی ایمان ہونا، دینی معاشرے کی سب سے سنگین بیماریوں میں سے ایک ہے۔ معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو صرف ریا اور دکھاوے کی خاطر مومن ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں، لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ دینی باور کس روحی اور نفسیاتی ماحول میں پروان چڑھتا ہے اور کس طرح عمل صالح کو اس کے ذاتی لوازم کے طور پر متعارف کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ کس نے ایمان کے حقیقی دائرے میں قدم رکھا ہے؟

بلا شبہ ایمان کا درخت ہر زمین میں نہیں اگتا۔ درخت ایمان کی کاشت اور اس کی نشو و نما کے لئے ظاہری اور باطنی اسباب کا فراہم ہونا ضروری ہے۔ ظاہری اسباب سے مراد سماجی اور معاشرتی ماحول ہے جس کی مدد سے ایمان وجود میں آتا ہے اور باطنی اسباب سے مراد وجود انسان کی اندرونی لیاقت اور صلاحیت ہے جسے نفس کے فعل ارادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان تمام اسباب کے بارے میں گفتگو کرنا ایک مفصّل بحث کا متقاضی ہے اور بہتر ہے ایک تفصیلی رسالہ کا موضوع قرار پائے لیکن اس مقالہ میں جس چیز کو مورد بحث قرار دیا گیا ہے وہ ایمان اور اخلاقی فضائل کے درمیان موجود تعلق ہے جس کی صحیح تبیین اور تشریح اوپر کئے گئے سوالات کے جوابات سے حاصل ہوگی۔ میرے خیال سے اس تعلق کی تفسیر کے لئے ضروری ہے کہ ہم دینی باور کے مفہوم کی تحلیل کریں اور اس کے اجزا و عناصر کی شناخت حاصل کریں، کیونکہ اس تحلیل و شناخت سے ہی اس تعلق و نسبت کی تفسیر ممکن ہے۔ حقیقت ایمان اور اس کے اندرونی اور بیرونی آثار و علامات کو سمجھنے کے لئے نظری لحاظ سے یہ تحقیق معاون ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ تحقیق عملی لحاظ سے ہمارے لئے ایمان کی ترویج و تبلیغ کی راہوں کو ہموار کرتی ہے۔ ایمان دینداری کی روح ہے اور ایک مومن کی زندگی جینے کے لئے بنیادی اصولوں کو انسان کے لئے فراہم کرنے میں اہم کردار نبھاتا ہے۔ اس موضوع کی تحقیق کی مدد سے ہم انسانی وجود کے عمیق تر مراتب سے آشنا ہو سکتے ہیں جس سے وجود انسان کے باطنی تحول و انقلاب کی بنیادیں ہمارے لئے نمایاں ہو جاتی ہیں۔ ایمان ان مسائل میں سے ہے جن سے آشنائی خود بخود انسان میں درونی تحول کا سبب بنتا ہے۔

قرآنی تعلیمات اور مسلم دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ اس حقیقت کی بنیادیں انسان کی فطرت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وجود ایمان کی ضرورت کا احساس انسان کی سرشت میں ہے اور مبدا ہستی سے تعلق اور کمال مطلق کی طرف میلان اس کی حقیقت اور فطرت میں پوشیدہ ہے اور یہی احساس انسان کے اندر حقیقی کمالات کے وجود میں آنے کا باعث بنتا ہے اور ایمان اور اخلاق دونوں کا ایک ہی سرچشمہ ہے۔ انبیا کا ہدف بھی یہی تھا کہ انسان اپنے اس فطری میثاق کا پابند رہے اور خدا کی ان فراموش شدہ نعمتوں کو یاد کرے جو انسانی وجود میں اللہ کی جانب سے ودیعت کی گئی ہیں تاکہ ان کی مدد سے معنوی اور انسانی کمالات کو حاصل کر سکے[۱]۔

اخلاق خُلق یا خُلُق کی جمع ہے۔ اردو میں جس کے معنی خو اور عادت کے ہیں اور علمائے اخلاق کی اصطلاح میں ان روحی اور نفسانی صفات و ملکات سے عبارت ہے جو بنا غور و فکر کے افعال مناسب کے صدور کا باعث بنتے ہیں اور اخلاقی فضائل سے مراد وہ مثبت صفات و ملکات ہیں جو عموماً نیک عمل کی تکرار سے حاصل ہوتے ہیں اور انسان کی روحی اور معنوی صلاحیت پر استوار ہوتے ہیں۔

ایمان کی تعریف

ایمان کا لغوی معنی ہے تصدیق مطلق یا اطمینان خاطر کے ساتھ کسی کی تصدیق کرنا اور اس پر اعتماد کرنا۔[۲] اس لفظ کی اصل امِنَ ہے جو لفظ سُلِمَ کا ہم وزن اور ہم معنی ہے۔ ان دونوں کا مشترکہ معنی ہے: امن، سکون، یعنی عدم خوف اور عدم اضطراب۔ پس مومن وہ ہے جو اپنے ایمان کے متعلق سے دل لگاتا ہے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرکے اپنے آپ کو ناامنی اور اضطراب سے محفوظ رکھتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ۔ ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لئے امن وسکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔[۳]

دینی نقطہ نظر سے اور شرعی اصطلاح میں خدا اور رسول کی تصدیق اور وحی کے ذریعہ رسول پر نازل ہونے والے حقائق کو دل سے قبول کرنا ایمان ہے۔ اس لفظ کے مقابل میں لفظ کفر ہے جس کا معنی انکار کرنا

۱۔ شریعت، محمد جواد، ترجمہ نہج البلاغہ، ص ۴۳
۲۔ طبرسی، ابی علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ص ۱۲۰
۳۔ سورہ انعام، آیت ۸۲

اور اعتماد نہ کرنا ہے۔ قرآنی نقطہ نظر سے ایمان کو سمجھنے کے لئے بعض مثبت کلمات جیسے اسلام، تصدیق، توکل وغیرہ نیز چند منفی کلمات جیسے کفر، تکذیب، عصیان اور نافرمانی کا سمجھنا ضروری ہے۔ لفظ کفر (ایمان کے مقابل) کا معنی جھل و نادانی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب تکذیب، انکار اور دشمنی ہے لہٰذا ایمان تصدیق، قبول اور تسلیم کے معنی میں ہے۔

اسلامی اور مغربی دانشور ایمان میں مختلف مفاہیم کی محوریت کے قائل ہیں اور اسی اعتبار سے ایمان کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ بعض مغربی دانشوروں نے ایمان کو آخری یا انتہائی دلبستگی کا نام دیا ہے جس کا متعلق حقیقی ایک موجود غائی ہے[۱]۔ اور بعض اسلامی دانشوروں نے ایمان کو خدا کی جانب مجذوبانہ اہتمام اور اقبال بتایا ہے جو انسان کے لئے آخری مقصد کی حیثیت رکھتا ہے[۲]۔ کچھ لوگ ایمان کی تعریف میں کہتے ہیں کہ کسی پر یقین رکھنا اور اسے دل دینے کے ساتھ ساتھ اس پر اعتماد کرنا اور اسے نیک سمجھنا اور اس سے محبّت کرنا ہی ایمان ہے۔[۳]

ایمان کا تعلّق ہمیشہ کسی شخص یا چیز سے ہوتا ہے لہٰذا ایمان کے متعلق کی خصوصیت خود ایمان کی کیفیت کو سمجھنے میں موثر ہے۔ سارے ادیان توحیدی اور آسمانی کتابوں میں ایمان کا اصل تعلق خدائے وحدہ لاشریک کی ذات ہے اور ان ادیان کے تمام اصول در حقیقت اسی اصل کی فروع شمار کی جاتی ہیں۔ ان ادیان میں اللہ تعالی کے وجود کا تعارف ایک مجہول اور نامعلوم شئے کے طور پر نہیں کرایا گیا ہے تاکہ اس کو معلوم کرنے کے لئے انسان مقدمات عقلی اور استدلالی کا محتاج ہو۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے توحید ایک فطری موضوع ہے جس کی شناخت اور اس کی جانب میلان کم و بیش تمام انسانوں کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسان ایک خدا آشنا فطرت کا مالک ہے اور اس کی روح، روح الٰہی کی ایک پھونک ہے:

۱۔ تیلیخ، پل، پویایی ایمان، ترجمہ حسین نوروزی، ص ۱۶
۲۔ مجتہد شبستری، محمد، پرواز در ابرہای ندانستن، مجلّہ کیان، ص ۱۱
۳۔ سروش، عبدالکریم، اخلاق خدایان، ص ۱۱۳

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ ترجمہ: پھر جب مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا[۱]۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی فطری اور حضوری معرفت استدلالی معرفت پر مقدم ہے اور یہی معرفت انسانی ایمان اور تصدیق کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔ ایمان کے تحقق یا اس کی تقویت میں عقلی معرفت کے کردار کے بارے میں آئندہ بحث کریں گے لیکن ہر چیز سے پہلے ضروری ہے کہ ایمان کے مفہومی ڈھانچے کی تحلیل کی جائے اور اس کی جزئیات کا بخوبی جائزہ لیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہماری تحقیقات کے منابع کتاب و سنّت ہیں۔ یاد رہے کہ ایمان کے متعلق جو تعریف اور تعبیر ان دونوں منابع میں موجود ہے، وہ منطقی تعریف نہیں ہے جس کا ہدف نظری بحث ہو بلکہ یہ تعریف وہ ہے جس میں ایمان کے لوازم اور اس کے آثار کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے مخاطبین عوام الناس ہیں، اور ان مفاہیم کو ان کے اندر ایک تحول اور انقلاب برپا کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید اور احادیث میں ایمان کے کلی مفہوم کو بیان کرنے کے بجائے زیادہ تر مومنین کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے، البتہ تمام آیات اور روایت جو اس سلسلے میں موجود ہیں اگر بغور ان کا مطالعہ کیا جائے تو مفہوم اور معنائے ایمان تک پہنچا جاسکتا ہے۔

ایمان کی کیفیت کو سمجھنے کے حوالے سے متعلق ایمان کی خصوصیات کے علاوہ، فاعل ایمان یعنی نفس انسانی یا اس کا ایک خاص حصہ جسے قلب کہا جاتا ہے، کی خصوصیات اور خود ایمان کی خصوصیات جو کہ نفس کا عمل ہے، کو سمجھنا اہم ہیں۔ نفس یا قلب ذاتی طور ایک ایسی حقیقت ہے جو تحول پذیر ہے اور یہ تحول پذیری اس کے تمام افعال کو دگرگوں کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں نفس مومن کا قوی ہونا یا ضعیف ہونا اس کے ایمان کے قوی یا ضعیف ہونے کا باعث ہوتا ہے اور ایمان کے قوی یا ضعیف ہونے سے انسان کا عمل قوی یا ضعیف ہوتا ہے۔ البتہ یاد رہے کہ ایمان کی حقیقت بھی اس کے فاعل (مومن) کی طرح ایک واحد اور بسیط حقیقت ہے اور نفس کی شدّت و ضعف کے اعتبار سے اس میں تشکیکی مراتب پائے جاتے ہیں[۲]۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ایمان کے ہر مرتبہ سے ایک الگ مفہوم کو اخذ کیا جائے اور اس کی تحلیل کی جائے، لہٰذا

۱۔ سورہ حجر، آیت ۲۹

۲۔ امین، مجتہدہ، اربعین الہاشمیہ، ص ۱۵۵

معنائے ایمان کے ڈھانچے میں متعدد مفاہیم کا پایا جانا اس کی حقیقت واحدہ اور بسیطہ کے منافی نہیں ہے، یعنی مفاہیم کا اختلاف، ایمان کے مراتب کے اعتبار سے ہے ایمان کی حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

کتاب اور سنّت کی روشنی میں ایمان کو تقویت پہنچانے والے اہم عناصر یہ ہیں، خوف، رجا، صبر، معرفت، اطمینان، اعتماد، توکل، رضا، محبّت اور تسلیم۔ یہ وہ عناصر ہیں کہ جن کے ذریعے ایک ایسا مفہوم وجود میں آتا ہے، جس کی طرف ایمان کی تحلیل کے وقت توجہ ضروری ہے۔ مذکورہ مفاہیم کی شدّت و ضعف قوت نفس کی شدّت و ضعف کے تابع ہے۔ بطور مثال اگر حقیقت ایمان میں کمی اور بیشی کا امکان نہ ہوتا تو قرآن مجید میں قلب انسان پر انزال سکینہ کے ذریعہ ازدیاد ایمان کا تذکرہ نہ ہوتا۔

دوسری جانب ہر انسان میں ایمان کو قبول کرنے کی صلاحیت و لیاقت کے مختلف مراتب ہیں۔ ہر شخص ہر حال میں ایمان کے ہر مرتبہ کا حامل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کا ایمان اس کے نفس کے مرتبہ کے ہم پلّہ ہوتا ہے۔ معاشرتی تعلقات اور روابط میں مومنین کے اندر پایا جانے والا صبر اور قوّت برداشت ان کے ایمانی درجہ کی حکایات کرتا ہے، کیونکہ طاقت سے زیادہ کام لینا معنوی شخصیت کے بحران اور تھکن کے احساس اور حیرانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے[۱]۔

مراتب ایمان اور اس سے تناسب رکھنے والے مفاہیم کے پیش نظر ایمان کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاسکتا ہے جیسے کہ ایمان خائفانہ، ایمان امیدوارانہ، ایمان صابرانہ وغیرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے حقیقت ایمان میں استکمالی مراتب و درجات پائے جاتے ہیں۔

ایمان کے مفہومی مقومات پر گفتگو کا آغاز تصدیق قلبی سے کیا جانا بہتر ہے کیونکہ سوائے کرامیہ جماعت کے جو تصدیق ایمان کو تصدیق زبانی میں ہی منحصر جانتے ہیں دوسرے لوگ حقیقت ایمان میں تصدیق قلبی کی دخالت پر متفق ہیں۔ ماہیت ایمان میں تصدیق قلبی کی دخالت چونکہ اس کے لغوی معنی کے متناسب ہے لہٰذا اس کا قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے لیکن اس تصدیق قلبی کی نوعیت کا تعین مسلم دانشوروں کے درمیان بحث انگیز مسائل میں سے ہے جس کے سلسلے میں تین مختلف نظریات پائے جاتے ہیں:

الف: تصدیق یعنی معرفت عقلی (تصدیق منطقی)

ب: تصدیق یعنی معرفت قلبی

۱۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، ج ۳، ص ۵۔ ۴۷

ج: تصدیق یعنی تسلیم نفسانی (قلبی)

تصدیق کا پہلا معنی وہی ہے جسے علم منطق کی اصطلاح میں تصدیق کہتے ہیں۔ اس نظریے کے طرفدار دانشوروں کی نظر میں ایمان ایک عقلی معرفت ہے اور ایمان کے متعلقات نظری امور ہیں جو منطقی قضایا کی شکل میں عقل کے ذریعہ تصدیق کئے جاتے ہیں۔ اس نظریے کے قائل افراد تصدیق ایمانی کو کبھی کبھی اس چیز کی تصدیق جانتے ہیں جس کا قطعی علم ہو لہٰذا منطقی یقین کو ایمان کی ماہیت میں داخل جانتے ہیں[۱]۔ اس دعوی کی استدلالی شکل یہ ہے کہ ہم فرض کریں کہ الف ب ہے اور الف کا ب نہ ہونا ممکن نہ ہو۔ اس نظریے کی بنیاد پر ایمان منطقی یقین کے مترادف ہے اور اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔

اس نظریے کے قائلین ماہیت ایمان میں اگر منطقی یقین کے علاوہ کسی اور مفہوم کے معتقد نہ ہوں تو انھیں حقیقت ایمان میں موجود شدّت و ضعف کا انکار کرنا پڑے گا، جیسا کہ انہوں نے خود اس کا اعتراف بھی کیا ہے، جب کہ کتاب و سنّت کی روشنی میں حقیقت ایمان میں شدّت و ضعف کا پایا جانا بہت واضح اور روشن ہے۔ دوسرے یہ کہ متعلقات ایمان کو صرف عقلی دلائل سے ثابت کر پانا اس طرح کہ تمام متفکران عالم قانع ہو جائیں بہت مشکل ہے، اور مقام ثبوت اور تاریخی لحاظ سے بھی آج تک کوئی بھی اعتقادی نظام اثبات کے اس مرحلے تک نہیں پہنچ سکا ہے[۲]۔

اس کے علاوہ مسیحی متکلموں کے درمیان قدیس تھامس اکونیث کا ماننا ہے کہ بے یقینی ہی ایمان کا سرچشمہ ہے اور جس جگہ قرائن و شواہد کسی چیز پر پوری طرح دلالت کرتے ہوں، ایسی جگہ یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا ایمان (فعل ایمان) کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی[۳]۔ ممکن ہے کہا جائے کہ کسی چیز پر یقین منطقی رکھنے اور ایمان میں اس کو داخل جاننے کے باوجود ممکن ہے اس کے پابند ہوں یا نہ ہوں، لیکن یہ استدلال اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب ہم یقین منطقی کے علاوہ اختیاری پابندی کے عنصر کو بھی ایمان کے معنی میں داخل جانیں، جب کہ ہماری بحث بطور خاص اس نظریے کے بارے میں ہے جو حقیقت ایمان کو یقین منطقی میں منحصر جانتا ہے ورنہ اس نظریے میں حقیقت ایمان میں شدّت و ضعف کی

۱۔ طوسی، خواجہ نصیر الدین، اوصاف الاشراف، ص ۸

۲۔ نراقی، احمد و سلطانی، ابراہیم، عقل و اعتقاد دینی، ص ۷۵

۳۔ سروش، عبدالکریم، اخلاق خدایان، ص ۱۱۶

نفی پر کوئی دلیل نہ ہوتی۔ لہٰذا اگر ایمان کو صرف ایک تصدیق عقلی مانا جائے (یقین منطقی) تو ایمان ایک فعل ارادی اور فضیلت اختیاری کے اعلیٰ مرتبے سے گر کر محض ایک انفعال رہ جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ہمارے لئے یہ ثابت کردے کہ مثلث کے تمام زاویہ دو قائمہ کے مساوی ہیں تو غیر اختیاری شکل میں ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور ہمیں اس سلسلے میں علم حاصل کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا جب کہ ایمان نفس کا ایک ارادی اور اختیاری عمل ہے۔ اس کے علاوہ التزام کا مفہوم بھی مبہم ہے اور جب تک اس التزام کی حقیقت واضح نہ ہو یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اسی طرح منطقی یقین کے ساتھ ساتھ مفہوم ایمان میں درج شدہ التزام کو التزام عقلی فرض کر لیں تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا معرفت (اگر چہ معرفت یقینی معرفت ہو) اور التزام عقلی اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اعمال صالحہ کو اپنا لازمہ ذاتی بنا سکیں۔

بہت سے لوگوں کو کسی چیز کی حقانیت کے بارے میں عقلی اور یقینی معرفت حاصل ہے اور عقلی اعتبار سے خود کو اسے انجام دینے کا پابند بھی سمجھتے ہیں، لیکن عملی پابندی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے۔ شاید یہ لوگ اس آیہ شریفہ کے مصداق ہیں:

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔ ترجمہ: ان لوگوں نے ظلم اور غرور کے جذبہ کی بنا پر انکار کر دیا تھا ورنہ ان کے دل کو بالکل یقین تھا۔[۱]

یہ نظریہ ایمان کے دائرے کو بہت تنگ اور محدود کر دیتا ہے کیونکہ منطقی یقین کا حاصل کرنا بہت دشوار کام (اگر ناممکن نہ کہیں) ہے اور منطقی یقین کو ایمان کا مترادف جاننے سے یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ جوہر ایمان سے محروم رہ جائیں گے کیونکہ ان کے لئے اس کا یقین حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، مگر یہ کہ اس دعوے سے صرف نظر کرتے ہوئے ایمان کے بعض مراتب کی حصول یابی کے لئے تنہا معرفت ظنی کو ہی کافی جانیں۔ اور ایسا لگتا بھی نہیں کہ خدائے حکیم نے اپنے بندوں کے ایمان کو ایسی دشوار گزار راہوں میں قرار دیا ہو۔ نیز اگر یقین کو مفوم ایمان میں داخل جانیں تو مناسب ہوگا کہ وہ تمام مفہومی عناصر جو مفہوم ایمان میں مندرج ہیں ان کے تناسب سے یقین کو ایک نفسیاتی یقین شمار کریں۔ نفسیاتی یقین میں مورد اعتقاد قضایا کے صادق ہونے کا اعتقاد ہی اس پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، اگر چہ یہ قضایا بالفعل سو فیصد ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ پس لوگوں کا ایمان لانا یا نہ لانا ان کے روحی اور نفسیاتی خصوصیات کی بنیاد پر ہوگا نہ

۲۔ سورہ نمل، آیت ۱۴

کہ عقلی اور فلسفی دلائل پر۔ البتہ ایمانی دعوت کے سامنے سارے افراد کا موقف ایک جیسا نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص کی روحی اور نفسیاتی آمادگی کے مراتب مختلف ہیں، ممکن ہے بعض لوگ کسی حد تک جوہر ایمان کے انتخاب اور اس کے قبول کرنے کی صلاحیت کو کھو چکے ہوں، مثبت روحی اور نفسیاتی پس منظر، تحقق ایمان کے لئے شرائط فراہم کرتا ہےاور روحی و نفسیاتی پس منظر کا منفی ہونا اور غلط ذہنیت تحقق ایمان کے موانع ہیں، لہٰذا منفی ذہنیت کے حامل افرادکے لئے ضروری ہے کہ وہ ان موانع کو پہچانیں اور ان کا ازالہ کرتے ہوئے تحقق ایمان کی راہیں ہموار کریں۔ کبھی کبھی عقلی دلائل کے ذریعہ شکوک و شبہات کے غبار کو صاف کیا جاسکتا ہے اور مثبت روحی و نفسیاتی تیاری کے ذریعہ تحقق ایمان کے شرائط کو فراہم کر سکتے ہیں، لیکن وجود خدا کے عقلی دلائل کا صرف جان لینا اور اسے عقلی طور پر قبول کر لینا، ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ان حالات میں بھی ضروری ہے کہ یہ معرفت آہستہ آہستہ مناسب اعمال کے ذریعہ قلب میں اپنی جگہ بنائےاور انسان اسے قلباً تسلیم کرے تاکہ اسے تحقق ایمان کا نام دیا جاسکے۔ عقلی دلائل ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہیں اور نہ ہی ہر روحی و نفسیاتی شرائط میں موثر واقع ہوتے ہیں۔

ہمارے خیال میں قلب جو کہ وجود انسان کی حقیقت ہے اس کا مرتبہ عقل سے بلند تر ہے، لہٰذا متعلقات ایمان کو عقلی طور پر قبول کر لینے کے بعد بھی ممکن ہے کہ انسان قلبی طور پر اسے قبول نہ کرے اور تحقق ایمان حاصل نہ ہو، لیکن اگر انسان قلبی اور روحی طور پر کسی چیز کو قبول کرلے تو گویا اس نے پورے وجود سے اس چیز کو تسلیم کر لیا ہےاور اس کے قوائے باطنی میں ایک قسم کی ہم آہنگی حاصل ہو جاتی ہے۔ تحقق ایمان کا بہترین عامل معرفت خدا کی جانب توجہ اور اس کی طرف فطری رجحان ہےاور دینی باور کا قیام اسی التفات اور فطری رجحان کی بنیاد پر ہے۔ اگر عقلی معرفت بھی انسان کے اندر اس حالت کو ایجاد کرسکے تو ممکن ہے تحقق ایمان کے لئے کارساز محرک قرار پائے ورنہ وہ ایمان کو جنم دینے سے قاصر ہے۔

اب ہم دوسرے گروہ کے نظریہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق تصدیق ایمانی معرفت قلبی ہے۔ معرفت قلبی کی دو تفسیر ہوتی ہیں۔ یا تو اس سے مراد متعلقات ایمان کے سلسلے میں نفس کی فطری اور اجمالی معرفت ہے، یا اس سے مراد وہ معرفت شہودی ہے جو معنوی سلوک سے حاصل ہوتی ہے۔[1] ہماری نظر میں کوئی بھی معرفت ہو خواہ وہ عقلی ہو یا فطری ہو یا شہودی، بہ تنہائی اس قابل نہیں

۱۔ خمینی، روح اللہ، شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۸۹

ہے کہ حقیقت ایمان کو نفس کے فعل ارادی کے طور پر بیان کرسکے۔ فطری معرفت ہم انسانوں کے حق میں خدا کا ایک خاص لطف اور عنایت ہے، جس کے حصول میں انسانوں کو ذرّہ برابر اختیار نہیں ہے، جب کہ ایمان ہمارے نفس کا ایک ارادی عمل ہے۔ معرفت شہودی بھی ایک ایسی معرفت ہے جو تذکیہ نفس اور معنوی سیر و سلوک کے مراحل کو طے کرنے سے حاصل ہوتی ہےاور وہ ایک ایسا بلند و بالا مرتبہ ہے جو حصول ایمان کے بعد ایمان کے تقاضوں کو عملی طور پر پورا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے یعنی نہ تحقق ایمان سے قبل اور نہ ہی تحقق ایمان کے ساتھ۔ حتیٰ اگر اس معرفت کا ادنی مرتبہ سب میں پایا جاتا ہو تب بھی یہ معرفت اس قابل نہیں ہے کہ نفس کے فعل ارادی کے طور پر ایمان کی تبیین و تفسیر کرسکے۔

ایک معاصر دانشور کا کہنا ہے کہ قرآن کی تعبیر میں شہودی معرفت و شناخت نفس کے لئے ایک مرآتی شناخت ہے۔ سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲-۱۷۳ کا معنی یہ ہے کہ جب اپنے اوپر نظر ڈالو تو اپنے آپ کو نہ دیکھو بلکہ اس کے ذریعے خداوند کے وجود پر دلیل قائم کرو اور خود کو دیکھنے کے بجائے صرف خداوند کو دیکھو۔[1] اس حالت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کے خداوند اپنے کو خود انسان کی ذات میں انسان کو دکھلاتا ہے۔ اپنے آپ کو انسان کو دکھلانا خدا کا کام ہے لیکن خدا کے دکھلانے کے بعد خدا کے سامنے بندے کا تسلیم ہو جانا بندے کا فعل ہےاور یہی اس کا خدا پر ایمان ہے۔ یہ دکھلانا لازمی طور پر ایمان کے تحقق کا سبب نہیں بنتا کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کے کچھ لوگ اس رؤیت اور مشاہدے کے باوجود اپنے منفی شرائط کے باعث ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہ جاتے ہیں۔

امام محمد غزالی تصدیق کے لئے ایک تیسرے معنی کے قائل ہوئے ہیں۔[2] ان کی نظر میں دینی باور کے معنی میں اہم ترین عنصر تسلیم نفسانی (تسلیم قلبی) ہے کہ جس کے وجود میں آتے ہی ایمان بھی تحقق پاجاتا ہے۔ حقیقت ایمان کے سلسلہ میں معرفت عقلی کے قائل افراد بھی کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ معرفت اس وقت مقوم ذاتی ہے جب قلب تک پہنچ جائے اور اس کے لئے ایک طرح کا تعلق فراہم کر دے۔ اسی لئے

۱۔ جوادی آملی، عبداللہ، شناخت شناسی در قرآن، ص ۲۸۶

۲۔ غزالی، ابو محمد، احیاء علوم الدین، ص ۱۱۶-۱۱۷

کہتے ہیں کہ عقیدہ (ایمان) در حقیقت انسان اور ایک ادراکی مضمون کے در میان ایک طرح کا قلبی پیوند اور عقد ہے جس کے نتیجہ میں عمل ظاہر ہوتا ہے۔[۱]

شہید مطہری کی نظر میں اسلام میں ایمان کی حقیقت صرف شناخت پر منحصر نہیں ہے۔ وہ معرفت کو ایمان کے ذاتی اجزا میں شمار کرتے ہیں اور معرفت کے علاوہ دیگر عناصر جیسے تسلیم، رجحان، خضوع، الفت و محبت کو بھی اس میں داخل سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں بعض فلاسفہ اور متکلمین کی رائے کے برخلاف، اسلام میں ایمان صرف شناخت کا نام نہیں ہے جس کی دلیل شیطان کا وجود ہے۔ شیطان نے خدا کی معرفت رکھنے کے باوجود خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کیا، یہاں تک کہ قرآن اس بارے میں کہتا ہے: وَكَانَ مِنَ الكافِرِينَ۔[۲] یعنی اس کو معرفت تھی پھر بھی وہ کافر تھا۔ خدا کی شناخت ہونے کے باوجود اس کی نافرمانی کا سبب یہ تھا کہ اس کی معرفت تسلیم اور رجحان سے خالی تھی اور اسی انکار اور دشمنی کے باعث اسے کافر کہا گیا۔[۳]

اس نظریہ کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ ایمان انسان کے لئے وجودی حقیقت ہے اور جب یہ دل میں پیدا ہو جائے، تو دھیرے دھیرے پورا وجود متاثر ہوتا ہے اور چونکہ عقل اور عقلی معرفت انسان کے پورے وجود پر احاطہ نہیں رکھتی لہٰذا ایمان کو معرفت عقلی میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہماری نظر میں انسان کی تمامتر فکری اور عقلی کوششیں جب تک فطری معرفت اور میل ربوبی کے چراغ کو روشن کرنے میں کامیاب نہ ہوں اور گوہر ایمان کے وجود میں آنے کے تمام عوامل و اسباب موجود نہ ہوں اور اس کے موانع برطرف نہ ہوں، اس وقت تک دینی باور کا تحقق ممکن نہیں ہے۔ ایمان نفس کا ایک ارادی اور اختیاری عمل ہے جو خدا کی حضوری اور ذاتی معرفت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور اس کے مختلف مراتب و درجات ہیں اور یہ معرفت، عقلی معرفت سے بالکل جدا ہے جو ان تنزاعی مفاہیم سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی فطری معرفت سے خود خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس کی مفہومی اور کلی معرفت اور یہ خدا کی معرفت ہے جس سے دل لگانا چاہئے۔ اس بیان کی روشنی میں یادآوری، خودشناسی اور غفلت سے دوری ایک طرح کی

۱۔ امید، مسعود، نظری بہ زندگی و برخی آرای علامہ طباطبائی، ص ۱۸۴-۱۸۵

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۴

۳۔ مرتضی، مطہری، انسان کامل، ص ۹۲-۹۴

بصیرت و بیداری کا سبب بنتی ہے جس کی برکت سے ایک عالمانہ اور آزادانہ انتخاب ممکن ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قلبی اور نفسیاتی تسلیم کا عنصر در حقیقت دینی باور کے تحقق میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ ایمان جس مرتبے کا بھی ہو بغیر قلبی تسلیم کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اسلام کا صحیح اور حقیقی مفہوم بھی یہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی ظاہری تسلیم اور امّت مسلمہ میں شامل ہونے کو بھی اسلام کہتے ہیں لیکن ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے اور صمیم قلب اور صدق دل سے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں بہت فرق ہے۔ جناب ابراہیم کا وہ واقعہ جس میں فرزند کی قربانی کے ذریعہ خداوند نے ان کے ایمان کا امتحان لیا، اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کے سامنے حد درجہ تسلیم قلبی کا مظہر ہے۔

تسلیم کے تین مرتبے ہیں: اعضاء و جوارح کا تسلیم ہونا، عقل کا تسلیم ہونا اور دل کا تسلیم ہونا۔ جب کوئی سپاہی دشمن سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اسلحہ کو زمین پر رکھ کر اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر جنگ بندی کا اعلان کرتا ہے تو اس تسلیم کو اعضاء و جوارح کا تسلیم ہو جانا کہتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے اس کی عقل و فکر تسلیم نہ ہو بلکہ مسلسل فرار کی فکر میں ہو۔ قدرت و طاقت کے دم سے کسی ذات کو اسی حد تک تسلیم کرایا جا سکتا ہے۔ تسلیم عقلی یہ ہے کی عقل و فکر، استدلالی میدان میں قوی اور منطقی استدلال کے مقابل میں تسلیم ہو جائے لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ قلبی طور پر ان حقایق کو وہ قبول نہ کرے جسے مد مقابل نے استدلال سے ثابت کیا ہے۔ تیسرا اور سب سے اعلی ترین تسلیمی مرحلہ قلب اور دل کا تسلیم ہونا ہے۔

اور حقیقت ایمان یہی ہے کہ قلب تسلیم ہو جائے۔ جسم، زبان اور عقل کا تسلیم ہونا اگر تسلیم قلبی کے ہمراہ نہ ہو تو ایمان نہیں ہے۔ قلب کا تسلیم ہونا پورے وجود کے تسلیم ہونے کے مساوی ہے اور پھر اس میں کسی طرح کا انکار یا عناد نہیں پایا جاتا ہے اور وہ ایمان جس کا لازمہ عمل ہے وہ اسی مرحلے میں وجود میں آتا ہے نہ کہ اس کے پہلے کے مراحل میں۔ لہٰذا اگر ہم اعمال صالحہ کو ایمان کا لازمہ ذاتی جانتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایمان کو تسلیم قلبی مانیں نہ کہ کچھ اور۔ وجود خدا اور توحید کے مسئلہ میں اگر فرض کریں کہ یہ بات انسان کے لئے مجہول اور نامعلوم ہے اور پھر انسان عقلی مقدمات کے ذریعہ اسے معلوم کر لے تو اس سے وہ صاحب ایمان نہیں بن جاتا بلکہ قلب کے اندر نور ایمان کے روشن ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار خود انسان میں کچھ عوامل سلبی اور ایجابی کے اوپر ہے۔ عوامل سلبی ان عوامل کو کہتے ہیں جن کا

وجود تحقق ایمان کی راہ میں رکاوٹ ہے اور ان عوامل سے پاک ہوئے بغیر نفس ایمان کا حامل نہیں ہو سکتا۔ بعض سلبی عوامل یہ ہیں:

کبر، خود خواہی اور غرور:

لَا جَرَمَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِين۔[۱]

ترجمہ: یقینا اللہ ان تمام باتوں کو جانتا ہے جنہیں یہ چھپاتے ہیں یا جن کا اظہار کرتے ہیں وہ متکبرین کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ۔ ترجمہ: تو بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان باتوں کے منکر ہیں جن پر تم ایمان لانے والے ہو۔[۲]

فسق:

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ۔ ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف روشن نشانیاں نازل کی ہیں اور ان کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہ کرے گا۔[۳]

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ۔ ترجمہ: اور خبردار ان میں سے کوئی مر بھی جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے گا اور اس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہوئیے گا کہ ان لوگوں نے خدا اور رسول کا انکار کیا ہے اور حالت فسق میں دنیا سے گزر گئے ہیں۔[۴]

قلب کا حجاب میں ہونا

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ۔ ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل جن باتوں کی تم دعوت

۱۔ سورہ نحل، آیت ۲۳
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۷۶
۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۹۹
۴۔ سورہ توبہ، آیت ۸۴

دے رہے ہو ان کی طرف سے پردہ میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے لہٰذا تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔[1]

قلب پر مہر لگنا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ ترجمہ: اے رسول! جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے ان کے لئے سب برابر ہے۔ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر گویا مہر لگا دی ہے کہ نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں۔ ان کے واسطے آخرت میں عذاب عظیم ہے۔[2]

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ ترجمہ: الزام ان لوگوں پر ہے جو غنی اور مالدار ہو کر بھی اجازت طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پسماندہ لوگوں میں شامل ہو جائیں اور خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اب کچھ جاننے والے نہیں ہیں۔[3]

قساوت قلب

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ ترجمہ: کیا وہ شخص جس کے دل کو خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نورانیت کا حامل ہے گمراہوں جیسا

۱۔ سورہ فصلت، آیت ۵
۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۶-۷
۳۔ سورہ توبہ، آیت ۹۳

ہو سکتا ہے۔ افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے ہیں تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔[1]

غفلت

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ ترجمہ: اور یقینا ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنّم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں۔ یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔[2]

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب قطعی فیصلہ ہو جائے گا اگرچہ یہ لوگ غفلت کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں۔[3]

خود فراموشی

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ ترجمہ: اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے خود ان کے نفس کو بھی بھلا دیا اور وہ سب واقعی فاسق اور بدکار ہیں۔[4]

بے جا تعصب: اس کے بارے پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ:

۱۔ سورہ زمر، آیت ۲۲
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹
۳۔ سورہ مریم، آیت ۳۰
۴۔ سورہ حشر، آیت ۱۹

مَنْ تَعَصَّبَ أَوْ تُعُصِّبَ لَهُ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِيمَانِ مِنْ عُنُقِهِ۔ترجمہ : جو تعصب کرے یا جس سے تعصب کیا جائے گویا اس نے اپنی گردن سے ایمان کی رسی کھول دی ہے۔[1]

ایجابی عوامل وہ عوامل ہیں جن کا وجود ایمان ساز ہے۔ بعض ایجابی عوامل یہ ہیں:

خودشناسی اور تذکر:

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ۔ترجمہ: لہٰذا تم نصیحت کرتے رہو کہ تم صرف نصیحت کرنے والے ہو۔[2]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ۔ترجمہ: اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں تو انہوں نے تمام شہروں کو چھان مارا تھا لیکن موت سے چھٹکارا کہاں ہے۔[3]

بصیرت:

قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ۔ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلائل آچکے ہیں اب جو بصیرت سے کام لے گا وہ اپنے لئے اور جو اندھا بن جائے گا وہ بھی اپنا ہی نقصان کرے گا اور میں تم لوگوں کا نگہبان نہیں ہوں۔[4]

تکبر اور گناہ سے دوری کے نتیجہ میں قلب کی سلامتی

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ترجمہ: جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا۔ مگر وہ جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔[5]

۱۔ اصول کافی، ج ۳، ص ۴۱۹

۲۔ سورہ غاشیہ، آیت ۲۱

۳۔ سورہ ق، آیت ۳۷

۴۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۴

۵۔ سورہ شعراء، آیت ۸۸-۸۹

ایمان اور کفر خدا کی جانب قلبی اقبال یا ادبار کا نتیجہ ہے۔ یہ اقبال و ادبار انسان کے اندر پائے جانے والے مثبت یا منفی عوامل پر استوار ہیں۔ مرحوم حاج مرزا جواد ملکی تبریزی (الطهور نصف الایمان) طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ایمان قلبی دل کی طہارت سے حاصل ہوتا ہے جس کے دو مرحلے ہیں۔ پہلے اخلاقی رذایل سے پاکیزگی اور دوسرے اخلاق حسنہ سے آراستگی لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسان کا نفس جس درجہ رذایل اور خبایث سے پاک ہوگا اسی درجہ ایمان کو قبول کر سکتا ہے۔ منفی صفات سے قلب کے پاک ہونے سے تحقق ایمان کی سلبی شرائط فراہم ہوتی ہیں اور اس کا مثبت صفات سے آراستہ ہونا تحقق ایمان کی ایجابی شرایط کو مہیا کرتا ہے۔البتہ بلا شک گوہر ایمان قلب میں جگہ پاجانے کے بعد خود بہ خود مثبت صفات و ملکات کی تقویت کرتا ہے اور اس کی اس تاثیر گزاری کے بارے میں آیندہ مباحث میں گفتگو کرینگے۔

ایمان اور اخلاقی فضائل

ایمان کے مفہوم و معنی کے تجزیہ و تحلیل کرنے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایمان بغیر معرفت کے حاصل نہیں ہو سکتا اور معرفت سے مراد فطری اور حضوری معرفت ہے کیونکہ تصدیق قلبی (تسلیم نفسانی) کہ ذریعہ ایمان کی تعریف کا مطلب یہ ہے کہ ایمان سے پہلے ایک حقیقت ہو جو مورد تصدیق قرار پائے اور اس سے پہلے ایک معرفت ہو جو اس تصدیق کو ممکن بنائے۔ مذکورہ تصدیق انسان کے ارادے و میلان اور مورد تصدیق واقعیت کی معرفت پر استوار ہے، یعنی تحقق ایمان جو کہ نفس کا فعل ارادی ہے اس کے تین عنصر ہیں: میلان، ارادہ اور معرفت۔ ایمان کی شروعات فطری معرفت کے آغاز سے ہوتی ہے۔

میلان سے مراد انسان میں وہ اندرونی جاذبیت اور کشش ہے جو اپنے ارادے سے کسی عمل کو انجام دینے کے لئے میدان ہموار کرتی ہے اور یہ وہ قوّت ارادی ہے جس کا تحقق انسان کے اندر ہوتا ہے۔ ایمان اپنے تینوں مبادی (معرفتی، میلی اور ارادی) تقاضوں کے وجود میں آنے کے بعد متناسب اعمال کو انجام دیتا ہے۔ مومن افراد میں کسی عمل کو انجام دینے کی رغبت پیدا کرنے کے لئے قوت دافعہ اور جاذبہ ذمہ دار ہے جو انسان کو کسی نیک اور شائستہ عمل کے انجام کے لئے ابھارتے ہیں اور بُرے عمل کو انجام دینے

سے روکتے ہیں۔ اس قوت دافعہ اور جاذبہ کی کمی اور بیشی ہر فرد کے ایمان کے مرتبے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ یہ قوت کبھی بہت شدید، کبھی میانہ اور کبھی بہت کم ہوتی ہے۔

عمل صالح ایمان کا حتمی اور ضروری لازمہ ہے اور اس کے مراتب ہر شخص کے ایمان کے مرتبہ کے مطابق ہوتے ہیں اور مومن انسان اپنے اندر کسی نیک عمل کو انجام دینے کے لئے جس کشش اور جاذبہ کا احساس کرتا ہے اور اس کے اندر ان اعمال کو انجام دینے کا جو شوق پیدا ہوتا ہے، اس کے بھی مراتب ہیں اور حسب مراتب کسی عمل کو انجام دینے کی امید[۱]، رضا[۲]، شوق[۳] اور شدید محبّت[۴] کی صورت میں ظاہر ہوتے

۱۔إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۸)

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ۔ ترجمہ: کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں خدا کی عبادت کرتا ہے اور آخرت کا خوف رکھتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے۔ (سورہ زمر، آیت ۹)

۲۔وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ ترجمہ: اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے ان سب سے خدا راضی ہو گیا ہے اور یہ سب خدا سے راضی ہیں اور خدا نے ان کے لئے وہ باغات مہیا کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ توبہ، آیت ۱۰۰)

رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ۔ ترجمہ: خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور یہ سب اس کے لئے ہے جس کے دل میں خوف خدا ہے۔ (سورہ بینہ، آیت ۸)

۳۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ ترجمہ: ایمان والو تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا... تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی مومنین کے سامنے خاکسار اور کفار کے سامنے صاحبِ عزت، راہِ خدا میں جہاد کرنے والی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والی ہو گی۔ یہ فضلِ خدا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ صاحبِ وسعت اور علیم و دانا بھی ہے۔ (سورہ مائدہ، آیت ۵۴)

۴۔وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ۔ ترجمہ: لوگوں میں

ہیں۔اور اسی طرح نفس مومن میں کسی برے یا ناپسندیدہ عمل سے نفرت اور انزجار کا احساس باعث ہوتا ہے کہ وہ ان اعمال کو انجام دینے سے پرہیز کرے، البتہ یہ جاذبہ اور دافعہ غیر مومن اور کافروں میں پوری طرح مختلف ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو رات کی تاریکی اور تنہائی میں حالت قیام اور سجود میں اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں وہ آخرت کے خوف اور رحمت پروردگار کی امید میں ایسا کرتے ہیں، لیکن منافقوں کی خوشی اور رضا حکم الٰہی کے برخلاف جہاد کرنے میں ہے، اور ان کے اندر یہی رضایت خاطر کی حالت انھیں جہاد نہ کرنے پر اکساتی ہے۔

انسان میں ارادہ ہی بعض میلانات و رجحانات کو اپنانے اور بعض کو چھوڑنے کا سبب بنتا ہے اور یہی اعمال جو کہ میلان کی عینی صورت ہیں، ایمان کے مبادی (معرفتی، میلانی، ارادی) میں تاثیر گزار ہیں، اور انھیں اعمال کی تکرار سے متناسب صفات و ملکات نفس انسانی میں حاصل ہوتی ہیں[۱]۔ اگر یہ اعمال و صفات مثبت ہونگے تو وہ ایمان کے حفظ و دوام کا سبب بنیں گے لہٰذا دینی اخلاق وجود ایمان پر مبنی ہے اور ایمان انسان کو براہ راست خدا تک پہنچتا ہے اور اس کے وجود کو اللہ کی قدرت، عظمت اور ربوبیت سے سرشار کرتا ہے اور اس کو مبدا کمالات تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے پر ابھارتا ہے۔

اعمال صالحہ کی تکرار سے نفس میں مثبت صفات واخلاقی ملکات پیدا ہوتے ہیں اور انھیں پر تحول نفس اور اس کے قوام کا دار و مدار ہے۔ مذکورہ صفات و ملکات کی برکت سے جیسے جیسے نفس قوی ہوگا اور مرحلہ کمال سے نزدیک ہوگا، اس کے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا لہٰذا ایمان کے کم اور زیادہ ہونے کا مطلب صرف کمیت اعمال نہیں ہے جو اصل ایمان سے خارج ہے، بلکہ وہ حقیقت ایمان میں شدّت و ضعف کو بھی بیان کرتا ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا مثل قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت بھی کرتے ہیں جب کہ ایمان والوں کی تمام تر محبّت خدا سے ہوتی ہے اور اے کاش ظالمین اس بات کو اس وقت دیکھ لیتے جو عذاب کو دیکھنے کے بعد سمجھیں گے کہ ساری قوت صرف اللہ کے لئے ہے اور اللہ سخت ترین عذاب کرنے والا ہے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۶۵)

۱۔ باقری، خسرو، پیش فرض ہای روانشاسی اسلامی، فصلنامہ حوزہ و دانشگاہ، شمارہ ۵، ص ۳۲

ہماری کوشش تھی کہ حقیقت ایمان کی اس تحلیل میں حقیقت ایمان اور اخلاق کے گہرے رابطے اور تعامل کو بیان کریں اور اب بعض اخلاقی فضیلتوں کو اختصار سے بیان کریں گے تاکہ ایمان کے عناصر اور ایمان واخلاق کے درمیان گہرے تعلق کا بھی اندازہ ہو جائے:

خوف

وہ خوف جو حقیقت ایمان کے عناصر میں سے ہے وہ مذموم و موہوم خوف نہیں ہے کہ جس میں انسانی کمزوری مضمر ہے بلکہ یہ خوف ممدوح اور پسندیدہ ہے اور ایک ایسی حقیقت ہے جو صفات وجلال الٰہی کی معرفت اور اس کی عظمت اور اس کی لامحدود قدرت کے ادراک سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنے وجود کے عیب اور نقص کی شناخت سے اس خوف میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت و عظمت ہر مومن انسان پر اس کی استعداد اور وجودی ظرفیت کے اندازے کے مطابق آشکار ہوتی ہے۔ اسی لئے پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا اَخْوفکُم منَ اللہ۔ ترجمہ: میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔[1]

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے خوف ایمان کے ہر مرتبہ میں اسی کے جیسا ہوتا ہے، حتیٰ ایمان کے اعلیٰ ترین مرتبہ جو کہ پیغمبر اسلامؐ کے ایمان کا مرتبہ ہے اور تسلیم کامل کا مرتبہ ہے، اس میں بھی خوف پایا جاتا ہے۔ یہ خوف، مذموم خوف سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ اس طرح کے خوف کو ختم کرنے کا اہم ترین عامل ہے۔ اس خوف کا سیدھا اثر یہ ہے کہ انسان گناہ کو ترک کرکے اطاعت الٰہی کو اختیار کرتا ہے اور اپنے نفس کو گناہ کے دلدل میں گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ کتاب و سنّت میں پسندیدہ خوف کی مختلف تعابیر ہیں جیسے خشیت، رہبت، وَجَل وغیرہ جو خوف کی اقسام اور اس کے مراتب کو بیان کرتی ہیں۔

امید (رجاء):

امید حقیقت ایمان کو دوام بخشنے والے عناصر میں سے ہے۔[2] امید وہ انبساط قلبی ہے جو محبوب حقیقی

۱۔ نراقی، محمد مہدی، جامع السعادت، ج۱، ص ۲۵۴

۲۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۸)

اور صفات و جمال الٰہی کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس صفت کی وجہ سے اعمال صالحہ انجام دینے کا شوق بڑھتا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ہر مومن کے دل میں دو نور ہے، خوف کا نور اور امید کا نور۔ اگر دونوں کا وزن کیا جائے تو کوئی بھی ایک دوسرے سے زیادہ نہ ہوگا اور خدا نے ان دو صفتوں کو ان لوگوں کے لئے ذکر کیا ہے جن کی اس نے تعریف کی ہے: یَدعونَ رَبَّھُم خَوفاً و طَمَعاً، ترجمہ: وہ لوگ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔[1] اور فرمایا وَیَدعُونَنَا رَغَباً وَرَھَباً۔ ترجمہ: وہ امید اور خوف کے عالم میں ہمیں کو پکارتے ہیں۔[2] ان لوگوں کا ایمان اس مرتبہ پر ہے جس میں خوف کے ساتھ امید ہے اور امید کے ساتھ خوف ہے۔ مبدا (سرچشمہ) کے لحاظ سے امید بندہ کے لئے خوف سے برتر ہے کیونکہ امید کا مبدا دریائے رحمت الٰہی ہے اور خوف کا مبدا اس کا غضب ہے اور جو رحمت الٰہی کی طرف متوجہ ہوگا اس کے اندر محبّت خدا زیادہ ہوگی۔[3]

صبر

صبر کا معنی ہوا و ہوس کے مقابلہ میں نفس انسانی کی استقامت ہے۔ ہوائے نفس انسان کو اللہ کی اطاعت سے روکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسان کا مقاومت کرنا اور خدا کی اطاعت پر باقی رہنے کو صبر در اطاعت کہتے ہیں۔ اگر نفس شدائد و مشکلات میں بے تابی کرے لیکن انسان اس کے مقابلے میں اپنے سکون اور اطمینان خاطر کو باقی رکھے تو اسے صبر بر مصیبت کہتے ہیں اور جب ہوائے نفس انسان کو کسی گناہ پر اکسائے لیکن وہ اس کے بہکاوے میں نہ آئے اور اس گناہ کو انجام نہ دے تو اسے صبر بر معصیت کہتے ہیں۔ اور جب انسان کے لئے یہ صبر کرنا آسان ہو جائے اور ایک ملکہ راسخہ کی شکل اختیار کرلے تو انسان مقام رضا کا مستحق ہو جاتا ہے اور جب یہ مقام رضا دائمی ہو جاتا ہے تب انسان مقام محبّت تک پہنچتا ہے اور جس طرح مقام صبر کے بعد مقام رضا ہے اسی طرح مقام رضا کے بعد مقام محبّت ہے۔

۱۔ سورہ سجدہ، آیت ۱۶
۲۔ سورہ انبیاء، آیت ۹۰
۳۔ جامع السعادت، ج ۱۔ ص ۲۳۰۔ ۲۹۰

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا۔ صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہے، جب سر کٹے گا تو بدن بھی ختم ہو جائے گا، گویا جس کے پاس صبر نہیں ہے اس کے پاس ایمان بھی نہیں ہے۔[1]

توکل:

توکل ایک اہم اخلاقی فضیلت اور حقیقت ایمان کے مفہومی عناصر میں سے ایک اہم عنصر ہے۔[2] توکل کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں میں خدا کی قدرت پر اطمینان قلب کے ساتھ بھروسہ کرے۔ اس مرحلہ میں فرد مومن اپنے تمام امور میں کائنات کے فاعل حقیقی پر اعتماد کرتا ہے اور آہستہ آہستہ مادی اسباب و علل کو مستقل سبب سمجھنا چھوڑ کر خدا سے لو لگاتا ہے اور لطف خدا و رحمت پروردگار کا امیدوار ہوتا ہے۔ اللہ پر توکل کرنے والے شخص کو ایک طرف اس بات کا یقین ہے کہ خدا ہر حال میں اس کا خیر خواہ ہے اور اس کا بھلا چاہتا ہے۔ ایسا شخص اگر ایسی حالت سے دو چار ہو جائے کہ جس میں کسی کام کا انجام دینا ضروری ہو لیکن اس کا نتیجہ بھی اسے معلوم نہ ہو، تو ایسی صورت میں چونکہ وہ اسباب و علل اور عمل کے نتائج سے آگاہ نہیں ہے لہٰذا وہ پورے وجود سے اللہ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کی خیر خواہی پر یقین کرتا ہے۔

توکل کے مختلف درجات و مراتب ہیں جس کا تعلق انسان کی توجہ اور مسبّب الاسباب خدا پر بھروسہ کرنے اور اس کی ذات پر یقین کرنے کے مراتب سے ہے۔ جس قدر توکل کرنے والوں کی قلبی توجہ اور ان کا بھروسہ عالم کے ظاہری اسباب و علل اور اس کے استقلالی نقش پر کم ہوگا، اسی مقدار ان کا اعتماد خداوند کی قدرت اور اس کے استقلالی نقش پر بڑھتا جائے گا اور توکل کے مراتب بلند ہوتے جائیں گے۔

۱۔ جامع السعادت، ج ۳، ص ۲۸۳

۲. توکل کے موضوع پر کئی آیتیں موجود ہیں:

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ۔ ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم واقعاً اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر واقعاً اس کے اطاعت گزار بندے ہو۔ (سورہ یونس، آیت ۸۹)

إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ ترجمہ: اس وقت جب تم میں سے دو گروہوں نے سستی کا مظاہرہ کرنا چاہا لیکن بچ گئے کہ اللہ ان کا سرپرست تھا اور اسی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۲۲)

رضا

رضا خدا سے باطنی (قلب میں) اور ظاہری (کردار اور گفتار میں) خوشنودی کے معنی میں ہے۔ جو مومن اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے اس کی نظر میں کائنات کی ہر چیز جیسے فقر و غنا، درد و سکوں، تندرستی و بیماری، موت و حیات، سب یکساں و مساوی ہوتی ہے کیونکہ وہ ان تمام امور کو خدا کی جانب سے جانتا ہے اور خدا کے ہر فعل سے وہ راضی و خوشنود ہے۔ یہ روحی حالت اس کو ایسا آرام و سکوں اور سرور عطا کرتی ہے کہ گویا سب کچھ اس کی منشا کے مطابق ہے۔

محبت:

محبت کا مطلب لذیذ اور ملائم امور کی جانب نفس کا میلان ہے۔ دوسرے الفاظ میں محبت مناسب ادراک تک پہنچنے سے نفس کا مسرور اور شادمان ہونا ہے۔[1] حقیقی محبّت صرف حقیقی محبوب سے ہی ہوتی ہے۔ محبّت کا اصلی سبب حسن و کمال ہے اور چونکہ خدا حسن مطلق و کمال مطلقہ ہے لہٰذا صحیح معنی میں محبّت اسی سے مخصوص ہے اور ہر وہ چیز جس میں یہ دونوں چیزیں (حسن و کمال) پائی جائیں گی وہ انسان کا محبوب قرار پائے گا اس لئے مومنین اپنی محبت کے اعلیٰ ترین مرتبے کو خدا سے ہی مخصوص جانتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۔ ترجمہ: لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا مثل قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت بھی کرتے ہیں جب کہ ایمان والوں کی تمام تر محبّت خدا سے ہوتی ہے اور اے کاش ظالمین اس بات کو اس وقت دیکھ لیتے جو عذاب کو دیکھنے کے بعد سمجھیں گے کہ ساری قوت صرف اللہ کے لئے ہے اور اللہ سخت ترین عذاب کرنے والا ہے۔[2]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

۱۔ جامع السعادت، ج ۳، ص ۱۳۲

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۶۵

من احب لله و ابغض لله و اعطى لله فهو ممن كمل ايمانه، ترجمہ: جس کی دوستی و دشمنی اللہ کے لئے ہو، اور اس کی عطا و بخشش بھی اللہ کے لئے ہو، وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا ایمان کامل ہے۔[1]

محبّت میں، خوف و امید اور انس و شوق بھی پایا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جب مومن محبّت میں صفات الٰہی کے مشاہدے سے اپنی محرومیت کے بارے میں سوچتا ہے تو رنج و الم سے دو چار ہوتا ہے جو خوف کے مرتبہ سے متناسب ہے اور جب اس کی معرفت جمال الٰہی کے جلوؤں کو اس کے دل میں ظاہر کرتی ہے تو اس کے وجود میں ایک ہلچل پیدا ہوتی ہے جسے شوق کہتے ہیں اور جمال الٰہی کے مشاہدے سے شادمان ہونے کی جو حالت اس پر طاری ہوتی ہے اسے انس کہتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں حب و محبّت کو حقیقت ایمان کے مقومات میں شمار کیا گیا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

هل الايمان الا الحب۔ ترجمہ: کیا ایمان محبّت کے علاوہ بھی کچھ ہے؟

تسلیم:

تسلیم کا مرتبہ رضا اور توکل کے مرتبہ سے بلند تر ہے کیونکہ اس مرتبہ میں مومن اپنے تمام امور کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے لیکن توکل کے مرتبے میں صرف اپنے کاموں میں خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ گویا توکل کے مرحلہ میں اسے اپنے امور سے ایک طرح کا تعلق ہوتا ہے لیکن تسلیم کے مرحلہ میں وہ اپنے امور سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرحلہ رضا میں افعال خدا اس کی طبیعت کے موافق ہوتے ہیں لیکن مرحلہ تسلیم میں طبع کی موافقت و عدم موافقت سب کچھ خدا کے ہی سپرد کر دیا جاتا ہے۔[2] جیسا کہ اس سے پہلے بھی کہا گیا کہ ارادہ الٰہی کے سامنے تسلیم محض ہونا ایمان کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے اور کمالات کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی پہچان ہے۔

اس بحث و گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ رجحان، معرفت اور ارادی عوامل کے فراہم ہونے سے انسان میں ایمان کا عنصر پیدا ہوتا ہے اور ایمان اپنے تحقق کے بعد نفس میں بعض جاذبہ اور دافعہ قوتوں کی پیدائش کا سبب بنتا ہے اور یہی قوت جاذبہ اور دافعہ اعمال صالحہ کی جانب میلان کے اسباب و محرکات کو آمادہ کرتے

۱۔ معراج السعادت، ج ۳، ص ۱۸۴

۲۔ جامع السعادت، ج ۳، ص ۲۱۳

ہیں۔ پھر ارادہ ان تمام امیال و رجحانات کے مجموعے سے کسی ایک کو انتخاب کرتا ہے اور اس انتخاب شدہ میلان کو عملی جامہ پہنتا ہے اور یہی اعمال انجام پا جانے کے بعد خود اپنے مبادی کو متاثر کرتے ہیں اور ان کی تکرار سے آہستہ آہستہ روحی اور اخلاقی صفات کو نفس میں تقویت کرتے ہیں اور ان صفات کے ذریعے نفس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ در نتیجہ نفس کی قوت کے اعتبار سے ایمان کا مرتبہ بھی بلند ہو جاتا ہے اور پھر یہ عمل اور رد عمل ایمان، عمل اور صفات کے درمیان جاری رہتا ہے اور ایمان آہستہ آہستہ اعلی مراتب کی جانب اپنے صعودی سفر کو جاری رکھتا ہے۔

منابع و مآخذ

- آیتی، عبدالمحمد، ترجمہ صحیفۂ سجادیہ، سروش، تہران، ۱۳۸۰
- ابن حزم، علی بن احمد اندلسی، (بی تا)، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، تحقیق دکتر محمد ابراہیم نصر ودکتر عبدالرحمٰن عمیرہ، دارالجیل، بیروت
- اشعری، ابوالحسن علی بن اسماعیل، مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین، تصحیح ھلموت ریتر، انجمن مستشرقان آلمانی، ۱۹۸۰
- الٰہی قمشہ ای، محی الدین، دہ مقالہ در حکمت عملی یا اخلاق مرتضوی، با مقدمہ و تصحیح و تعلیقہ حسن حسن زادہ آملی، انتشارات قیام، قم، ۱۳۷۹
- امید مسعود، نظری بہ زندگی و برخی آرای علامہ طباطبائی، انتشارات سروش، تہران، ۱۳۸۰
- امین، مجتہدہ، اربعین الہاشمیہ، ترجمہ علویہ ہمایونی، اصفہانی نشاط، ۱۳۷۱
- ایزوتسو، توشی ھیکو، مفہوم ایمان در کلام اسلامی، ترجمہ زہرا پور سینا، انتشارات سروش، تہران، ۱۳۷۸
- باقری، خسرو، پیش فرض ھای روانشناسی اسلامی، فصلنامہ حوزہ و دانشگاہ، قم، شمارہ ۵، ۱۳۷۴
- بدخشاں، نعمت الہ، حقیقت ایمان ولوازم آن از منظر علم کلام، قرآن و علیؑ، فصلنامہ اندیشہ دینی دانشگاہ شیراز، شمارہ اول و دوم، پاییز و زمستان، ۱۳۷۹
- تیلیخ پل، پویایی ایمان، ترجمہ حسین نوروزی، انتشارات حکمت، تہران، ۱۳۷۵
- جعفریان، رسول، مرجئہ تاریخ واندیشہ، انتشارات خرم، قم، ۱۳۷۱
- جوادی آملی، عبداللہ، شناخت شناسی در قرآن، مرکز فرہنگی رجاء، تہران، ۱۳۷۲
- خمینی، روح اللہ، شرح حدیث جنود عقل و جہل، تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۷۸

- سروش، عبدالکریم، اخلاق خدایان، طرح نو، تہران، ۱۳۸۹
- شریعت، محمد جواد، ترجمہ نہج البلاغہ، انتشارات اساطیر، تہران، ۱۳۷۰
- طبرسی، ابی علی الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن با تصحیح و تعلیق سید ہاشم رسولی محلاتی و شیخ فضل آیت اللہ یزدی طباطبائی، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۰۸ق
- طوسی، خواجہ نصیر الدین، اوصاف الاشراف، انتشارات ہدی، تہران، ۱۳۶۱
- غزالی، ابو حامد (بی تا) احیاء علوم الدین، جلد ۱، دار المعرفہ، بیروت
- فرید تنکابنی، مرتضی، (بی تا) نہج الفصاحہ یا تنظیم موضوعی (رہنمای انسانیت)، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران
- کلینی، محمد بن یعقوب، (بی تا) اصول کافی، با شرح و ترجمہ حاج سید جواد مصطفری، انتشارات علمیہ اسلامیہ، قم
- مجتہد شبستری، محمد، پرواز در ابرہای ندانستن، مجلّہ کیان، شمارہ ۵۲، سال دہم، ۱۳۷۹
- مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، جلد ۱، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۶۰
- مطہری، مرتضی، (بی تا) عدل الٰہی، انتشارات صدرا، تہران
- مطہری، مرتضی، (بی تا) انسان کامل، انتشارات کتابخانۂ عمومی امیر المومنین علیؑ، اصفہان
- ملکی تبریزی، جواد، اسرار الصلوۃ، ترجمہ رضا رجب زادہ، انتشارات پیام آزادی، تہران، ۱۳۷۶
- موسوی ہمدانی، سید محمد باقر، ترجمہ تفسیر المیزان، ج ۱۸، نشر بنیاد علمی و فکری علامہ طباطبائی، تہران، ۱۳۷۶
- نراقی، احمد و سلطانی، ابراہیم، عقل و اعتقاد دینی، طرح نو، تہران، ۱۳۷۴
- نراقی، محمد مہدی، (بی تا) جامع السعادت، موسسۂ الاعلمی للمطبوعات، بیروت